eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر وفا یزدان منش
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران، ایران
سمیرا گیلانی
ایم۔اے، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران، ایران

**Dr. Vafa Yazdanmanesh**
Associate Professor, Dept. of Urdu, University of Tehran, Iran
**Samira Gilani**
MA. Dept. of Urdu, University of Tehran, Iran

# مجید امجد اور سہراب سپہری کی نظموں کا تقابلی جائزہ، وقت کے تناظر میں

# Comparison of Poems of Majeed Amjad and Sohrab Sepehri, In Context of Time.

## Abstract
Majeed Amjad was poet of Urdu Language & Sohrab Sepehri is a Persian Poet. Both has Concept of Time.Time has become an intellectual aspect in the poetry of Majeed Amjad and Sohrab Sepehri. Both take a philosophical look at Time and finally look at it with mystical eyes. In their poetry, the past, the present and the future have been summed up, but they capture the present more and make the present the centre of the present. It protects the inside and also creates the future. Both believe that there is a journey of time with which man and the universe move. Both poets use new metaphors and symbols related to Time. Their Concept has emerged from the depth of their high imagination. They travels through different eras of Time alongwith their reader. Their words, diction, imagination, structure of the poems and stress and strains areappreciable.

**Keywords:** Majeed Amjad, Sohrab Sepehri, Time, Moment, Comparison, Imagination

**کلیدی الفاظ:** مجید امجد، سہراب سپہری، وقت، لمحہ حال، تقابل، تخیل

## تلخیص

مجید امجد اور سراب سپہری کی شاعری میں "وقت" ایک اہم فکری پہلو کی حیثیت سے جلوہ گر ہے۔ دونوں وقت پر فلسفیانہ نظر ڈالتے ہوئے آخر میں عارفانہ دید سے اسے دیکھتے ہیں۔ ان دونوں کی شاعری میں تینوں زمانے یعنی ماضی، حال اور مستقبل سموئے ہوئے ملتے ہیں مگر ان کی فکر کا محور و مرکز "حال" ہے، وہ اسے اپنی گرفت میں لے کر اسے مرکزیت بخشتے ہیں، وہ گزرتے ہوئے وقت کو جوئے رواں جانتے ہیں جو ماضی کو اپنے اندر سمو کر محفوظ کرتا اور مستقبل کو سنوارتے ہوئے رواں دواں ہے۔ دونوں کا یہ خیال ہے

کہ وقت ایک سفر ہے جس کے ساتھ انسان اور کائنات چل رہے ہیں۔ دونوں شاعر "وقت" سے متعلق نئے نئے استعارات اور علامات کو بروئے کار لاتے ہیں۔

## مقدمہ

اردو کی کلاسیکی شاعری میں فارسی عناصر یوں شیر و شکر ہوئے ہیں کہ لگتا نہیں، یہ کسی دوسری زبان سے اردو زبان کا حصہ بنے ہیں بلکہ اردو زبان کے اپنے ہی عناصر محسوس ہوتے ہیں۔ شروع میں اردو شعراء فارسی شاعری میں طبع آزمائی کرتے رہے، وہ فارسی شاعری سے عشق کرتے تھے، اس کی وجوہات چاہے جو بھی ہوں لیکن ایک بات ماننا پڑتی ہے کہ تہذیبی اور مذہبی اشتراکات کی وجہ سے اردو زبان میں فارسی عناصر کا یہ رشتہ مضبوط ہو گیا۔ اٹھارویں صدی کے دوسرے حصے میں معاشرتی، سیاسی اور ادبی مسائل نے نئے تقاضے پیدا کئے، اردو شعراء اپنے خیالات کے اظہار کے لیے نئے نئے انداز اور عناصر کی جستجو کرنے لگے۔ مغربی شاعری سے مضمون، ہیئت اور فن سے متعلق مواد اخذ کیے، پھر بھی جو اثر فارسی شاعری نے اردو شاعری پر ڈالا، شاید مغربی شاعری کا نہیں ہوا۔ بیسویں صدی میں اردو شاعری اپنے نئے دور میں داخل ہوئی اور زیادہ نکھر گئی۔ اسی جدیدیت میں دو طرح کے فارسی اشتراکات ملتے ہیں: ایک فارسی زبان کے وہ عناصر جو اردو شاعری کا پہلے سے حصے تھے، وہ عناصر ابھی تک نظر آتے ہیں اور دوسرا دونوں زبانوں کے خطوں میں جو مختلف اشتراکات ہیں، وہ اشتراکات اب بھی دیکھنے کو ملتے ہیں، اس لئے دونوں کا ردعمل بھی ملتا جلتا ہے۔ جب صورتحال ملتی جلتی ہو، تاثرات اور ردعمل بھی ملتا جلتا ہو تو ظاہر ہے شاعری میں موضوعات اور سوچ بھی ملتی جلتی سامنے آئے گی۔ اردو اور فارسی کے معاصر شعرا میں مجید امجد اور سہراب سپہری ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری مختلف زاویوں سے ملتی جلتی ہے ان کی شاعری میں چند فکری عناصر کا جائزہ لیا جائے تو حیران کن نتائج سامنے آتے ہیں کہ کیسے دونوں ایک ہی طرح دنیا اور زندگی کو دیکھتے ہیں۔ خاص طور پر "وقت" کے لحاظ سے ان دونوں کی آراء اور خیالات ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ وقت اور اس سے وابستہ عناصر، ہر زبان میں شاعری کا اہم اور قابلِ بحث حصہ ہیں۔ کسی شاعر کی شاعری میں اس اہم حصے کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس شاعر کی زندگی، موت اور کائنات کے بارے میں رجحانات کی ایک روشن تصویر نظر آئے گی۔ اسی طرح دو شعرا کی شاعری کا تقابلی جائزہ ہو تو "وقت" کو مد نظر رکھ کر اسی حوالے سے ان کے کلام کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

## تحقیق کا پس منظر

مجید امجد اور سہراب سپہری کی شاعری میں "وقت" کو مد نظر رکھ کر جائزہ لیا گیا ہے اور دونوں کے بارے میں الگ الگ آراء سامنے آئی ہیں، راقمین نے ان دونوں شعراء کی شاعری کے عناصر جیسے "موت" اور "عرفان" کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیا ہے مگر "وقت" کے تناظر میں ان کی شاعری کا تقابلی جائزہ پہلی دفعہ لیا جا رہا ہے۔

موجودہ کاوش میں مندرجہ ذیل سوالات کو مد نظر رکھ کر ان کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جاری ہے: دونوں کی شاعری میں وقت کا تصور کیا ہے؟ اور دوسرا مجید امجد اور سہراب سپہری نے وقت سے متعلق جو علامات، اصطلاحات و الفاظ استعمال کئے ہیں، ان میں کون کونسی مماثلتیں موجود ہیں؟

## مجید امجد اور سہراب سپہری کے ہاں وقت کی نوعیت

مجید امجد کے ہاں وقت ایک ازلی و ابدی قوت کی صورت میں ہے اور وقت کا سوال آغاز ہی سے ان کی شاعری میں جگہ جگہ موجود ہے۔ آخر میں یہ مسئلہ ان کے کلام میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے:

"امجد کے ہاں وقت کا وہی عام تصور پایا جاتا ہے جس میں فلاسفہ کے بقول وقت ایک دھارے کے مانند ہے جو لحہ بہ لحہ مستقبل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے اور واقعات اس دھارے میں ماضی کی سمت بہتے چلے جاتے ہیں۔ [(1)]

جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

"یہ ہستی کا دریا بہا جا رہا ہے
ہم آہنگ سیل فنا جا رہا ہے" [(2)]

"کنواں" اور "امروز" جیسی نظمیں وقت کے اصلی موضوع کو محور بنا کر مجید امجد کی سوچ کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی ایسی نظمیں بھی کثرت سے ملتی ہیں جن میں ضمنی طور پر وقت کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ امجد اپنی نظموں میں جیسے "ستارہِ صبح" اور "فرصتِ نظر" میں وقت کو سلسلہ وار نظامِ زندگی سے جوڑ دیتے ہیں:

"امجد کے ہاں وقت کے دو تصورات ہیں۔ ایک ازلی اور ابدی وقت کے مسلسل چکر کا تصور جس کے پہیوں کی زد میں آکر چیزیں ریزہ ریزہ ہو رہی ہیں۔ جس کے تسلسل کی طوالت کے مقابلے میں انسانی زندگی دو چار لمحوں کی معیار سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ مگر اُن کے ہاں وقت کا دوسرا تصور روزمرہ زندگی کی وابستگیوں اور دلچسپیوں سے ابھرتا ہے۔ ایک انسان کی زندگی وقت کے جاودانی تسلسل کے مقابلے میں خاصی طویل ہے۔" [(3)]

مثال کے طور پر مجید امجد اپنی ایک نظم میں یوں اظہار خیال کرتے نظر آتے ہیں:

"کیا خبر صبح کے ستارے کو
ہے اسے فرصتِ نظر کتنی
پھیلتی خوشبوؤں کو کیا معلوم
ہے انہیں مہلتِ سفر کتنی
رکھ سکتی نہیں مآلِ بہار
اگرچہ نرگس ہے دیدہ ور کتنی
مسکراتی کلی کو اس سے غرض
کہ ہے عمر اس کی مختصر کتنی
جینے والے کو کام جینے سے
زندگی کا نظار جینے سے" [(4)]

مجید امجد کی شاعری میں وقت کے تینوں زمانے ملتے ہیں:" ابد کے سمندر کی اک موج جس پر مری زندگی کا کنول تیرتا ہے "(5)۔ امجد زندگی کی موج کو ایک عارضی واقعہ کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے پر خروش ہونے کے باوجود لہراتے ہوئے کائنات سے مٹ جاتی ہے۔ وقت کا سفر جاری ہے، وہ کہیں ٹھہرتا ہے، اپنا جادو چلاتا ہے زندگی کو اپنی گرفت لاتا ہے نغمہ سرائی کرتا ہے پھر اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے چلا جاتا ہے۔ اسی مختصر ٹھہراؤ میں وہ ایک سرمایہ انسان کے لیے چھوڑ دیتا ہے جو عارضی نہیں ابدی سرمایہ ہوتا ہے۔ وقت ابدیت رکھتا ہے چنانچہ اس میں گذشتہ، موجودہ اور آئندہ کے لمحات بکھیرے ہوئے ہیں مگر موجود زمانہ موج کی طرح ابھر کر نمایاں ہے۔ زندگی کا بہاؤ ایک سمندر جیسا ہے تاہم سمندر سے الگ نہیں ہوتا۔ شاعر اپنی زندگی کو ایک کنول کی طرح سمجھتا ہے جو ایک موج (لمحہ حال) پر تیرتی ہے کہ کنول وقت کی لامحدود وسعتوں میں کھلا تو ہے۔

مجید امجد " ابد تک بدلتی نہیں ایک آن اس کی گردش / نہ جانے لیے اپنے دولاب کے آستینوں میں کتنے جہان اس کی گردش "(6) میں وقت کا تصور پیش کرتے ہیں کہ وہ دائروی گردش رکھتا ہے یعنی اس میں تسلسل پایا جاتا ہے اور اس تسلسل میں وقت جمودیت کا شکار نہیں ہوتا بلکہ تحرک اور تغیر اس میں ہوتا رہتا ہے اور کئی پہلوؤں کو اپنی گردش میں سمولیتا ہے جیسا اس سے ایک ہی وقت کسی زندگی کی رخصتی ہوتی اور اس کی جگہ دوسری زندگی آجاتی ہے۔ اس چل چلاؤ کے پیچھے " جاوداں وقت " کی طاقت کھڑی ہوئی ہے۔ دائروی چکر سے بظاہر حرکت کا خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ چکر بجائے خود سکون کی علامت بھی ہے۔ امجد کے ہاں وقت کی گھٹی میں حرکت رچ گئی ہے اور وقت بذات خود خالص ہے اور اس لیے کہ وہ اپنے بہاؤ کے راستے میں ہر طرح کے سکھ دکھ کو لپیٹ لیتا ہے تو انہی مختلف کیفیات سے وقت میں طرح طرح کے رنگ چڑھ جاتے ہیں۔ وقت بہتا جاتا ہے اور ہلکی سی چیز سے لے کے بھاری چیزوں کو اپنے ساتھ بہائے لے جاتا ہے، وقت کی اسی حرکت اور بہاؤ جس کے دو نقطہ عدم اور وجود کے درمیاں دنیا کا ہر عنصر آتا جاتا ہے سے " زندگی " بنتی ہے۔ یعنی زندگی کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ ان چند سطروں میں:

" زیست امکانات کا ایک ہیر پھیر
کیا عجب ہے میرے سینے کا شرر
اک تمنائے بغلگیری کے ساتھ
وقت کے مرگھٹ پہ باہیں کھول دے "(7)

" سینے کا شرر " اور " وقت کا مرگھٹ "، وقت کی بحث میں مدغم ہیں اور ہیر پھیر تغیر ہے۔ وقت کا ریاضیاتی تصور محض ایک تجرید ہے۔ اس تصور کے تحت ماضی، حال اور مستقبل، وقت کی حیثیت سے معنی نہیں رکھتے بلکہ اپنے جوہر کے اعتبار سے پہچانا جاتا ہے:

> " گویا وقت ایک ایسا نقطہ ارتکاز ہے جس میں ماضی، حال، مستقبل شامل ہیں یہی تصور ہمیں امجد کے ہاں وقت کے تیسرے روپ کی صورت میں ملتا ہے (8)

مندرجہ ذیل سطروں میں مجید امجد نے اپنے قوت متخیلہ سے سورج گرہن کو وقت کے تناظر میں دیکھ کر تشخیص سے کام لیتے ہوئے ایک انوکھی تصویر کشی کی ہے۔ وہ تین کُرّے یعنی سورج، چاند اور زمین کو ریاضیاتی وقت کے منظر سے پرکھتے ہیں اور ان کو ایک ہی خط پر قرار دیتے ہیں۔ چاند کو سورج کی آنکھ میں کالی پتلی تصور کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو اجاگر کر رہے ہیں:

" بھائی اتنی جلدی کیا تھی۔۔۔۔
دن ڈھلتے ہی ہم تو دور نگر چشمے اپنی آنکھوں سے لگا کر بیٹھ گئے تھے، دیکھیں /۔۔۔۔۔۔۔۔ /

سورج کے چمکیلے گول کنارے کی پٹڑی پر چلتا، گھن سے او جھل ہوتا چکر کاٹ کے
سامنے آتا، دور سے دکھتا، رکشا"[9]

چنانچہ مجید امجد نے ریاضیاتی وقت کے تناظر میں ان تین کروں کے لیے ریاضیاتی وقتوں کی یکجائی سے تینوں کے وقت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں مگر حقیقت میں ان کا وقت ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنی گردش کے مطابق الگ الگ وقت اپنا بنالیتا ہے اور ہر ایک کے لیے وقت کی جانچ پرکھ کا معیار الگ انداز میں ہوتا ہے۔ امجد نے گرہن کے لیے ایک خاص وقت وابستہ کر دیا ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے:

"دل ہی دل میں ہم کہتے تھے، دیکھیں کیسا ہو یہ تماشا
وہ سورج کی آنکھ اور اس میں چاند اک کالی پتلی، اور پھر اُس پتلی کے گرد لڑھکتا
اک وہ سایہ
اک پل کے محور پر گھومنے والے تین کرے
او ہو اب تو آنکھیں بھی دکھتی ہیں[10]

امجد کے جسم میں بیماری کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی موت کو قریب آتے دیکھتا ہے، اس کے الفاظ صوفیانہ ہو جاتے ہیں اور شاعر اِس کائنات کے اندر راز و نیاز اور خدائی طاقت کی ضرورت کو اور زیادہ محسوس کرتا نظر آتا ہے اور ان لحات کو اس کی عبادت کے لحات کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اپنی زندگی کے اختتام پر، مذہبی شاعر خدا کی جانب زیادہ مائل ہو جاتا ہے، جو اُن کی شاعری میں کافی واضح ہے:

"بے نشان خاک، میرے سامنے اب
ان جہانوں کا ایک حصہ ہے
جن کے بھیدوں کی تھاہ میں تو ہے
جن کے سایوں کی قبر میں میں ہوں!" [11]

سپہری اپنی شاعری میں بار بار وقت اور ان کے وابستہ عناصر کو بروئے کار لائے ہیں اور وہ بھی اپنی شاعری میں مختلف اوقات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سہراب کی کچھ نظموں میں، جیسے "ورق روشن وقت"، نظم کا بنیادی موضوع وقت پر توجہ دینا ہے، خاص طور پر موجودہ لمحے پر، اور کچھ نظموں میں، جیسے "مسافر" اور "صدای پای آب" وقت کو ضمنی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ وقت ،ان کے نزدیک مختلف شکل اختیار کرتا ہے:

"پدرم پشت دوبار آمدن چلچلہ ہا پشت دو برف
پدرم پشت دو خوابیدن در مہتابی
پدرم پشت زمانہا مردہ است"[12]

شاعر اپنے والد کی موت کے وقت کو ایک نئے مفہوم سے بیان کرتا ہے۔ وہ وقت کے اس انتزاعی مفہوم و حالت کو نظر انداز کرتا ہے اور صرف بات کو اہمیت دیتا ہے کہ ان کے والد "دوبارہ آمدن چلچلہ ہا" کے بعد انتقال کر گئے ہیں لیکن اس کے بعد دوسری سطر میں وقت کا یہ پیچیدہ مفہوم "جمع" بن کر قابلِ شمار صورت میں سامنے آجاتا ہے۔

" پدرم پشت زمان ہامردہ است ": شاعر وقت کو طے کر کے تاریخ سے گزرتا ہے۔ دو مختلف ادراک کے طریقے، ہر ایک، ہزاروں سال کے لیے ایک دوسرے سے دور ہیں اب اکٹھے ہو کر واقعات کی خبر دیتے ہیں: ایک واقعہ دو سال پیچھے رونما ہوا ہے تو دوسرا بھی " لاوقت " میں خبر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے دو واقعات ایک ہوتے ہیں: خاص، عام میں اور عام خاص میں ادغام ہوتے ہیں۔ شاعر ایک دور کے وقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ماضی قریب کے ذریعے ہم سے قریب ہوتا ہے۔ یہ وقت، ایک تاریخی وقت ہے۔ سپہری شروع میں اپنے متعلق وقت کو بیان کرتے ہوئے جدائی اور فراق اور یادوں کو سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ آخر میں اجتماعی اوقات اور باپ بحیثیت منصب (یعنی ہر باپ) کی موت کے بارے میں بات کرتا ہے۔ جس کی جڑ کسی تاریخی وقت میں ہے۔ یہ وقت، دوسرے وقتوں کی طرح تین وقتوں یعنی، ماضی، مضارع اور مستقبل سے پھوٹتا ہے۔ یہ سب مختلف زمانوں سے وابستہ وقت، بروئے کار آکر ایک معیاری وقت بنتا ہے اور کائنات اور ہستی سے تعلق رکھ پاتا ہے اور آخر کار وقت کی ابدیت اور بقا کا باعث بنتا ہے۔ یہاں شاعر نے مختلف اوقات سے فائدہ اٹھایا ہے: چلچلہ بسنت میں، برف سردیوں میں آتی ہے اور " خوابیدن در مہتابی " گرمیوں کی نشانی ہے۔ اسی طرح شاعر مختلف وقتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ سپہری حال میں رہتے ہیں، وہ ماضی کی طرف جھانکتے ہوئے لمحہ حال پر نظر جماتے ہیں:

" چشم ہارا باید شست، جور دیگر باید دید
واژہ ہارا باید شست
واژہ ہا باید خود باد، واژہ باید خود باران باشد "(13)

پھر وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عادات کی دھول کو صاف کرنا چاہیے اور ہر لمحے اشیاء کائنات اور سب چیزوں کو نئے سرے اور انداز سے دیکھنا اور گامزن ہونا چاہیے:

" غبار عادت پیوستہ در مسیر تماشاست
ہمیشہ با نفس تازہ راہ باید رفت "(14)

نظم " صدای پای آب " کی انتہا میں شاعر، حال کو ماضی اور مستقبل میں ایک ہی نقطہ نظر میں دیکھتا ہے:

" زندگی ترشدن پی در پی
زندگی آب تنی کردن در حوضچہ اکنون است
رخت ہارا باید بکنیم: آب در یک قدمی است "(15)

سپہری جسمانی وقت کی کیفیت کو جان کر اس کو عینی اور خارجی حیثیت دیتے ہیں۔ شاعر، " مسافر " کی نظم، ایک مسافر کی روپ میں وقت و مکان سے گزر کر لاوقت اور بے مکانی کو طے کرتے ہیں۔ سفر، ایسا آغاز ہوتا ہے:

" دم غروب، میان حضور خستہ ی اشیا
نگاہ منتظری حجم وقت رامی دید
وروی میز، ہیاہوی چند میوہ ی نوبر
بہ سمت مبہم ادراک مرگ جاری بود "(16)

" حجم وقت " میں شاعر وقت کو کوئی خلائی زاویہ بخشتے ہیں یہ ایک عینی اور خارجی خاصیت ہے، ایسے وقت کی ایک جسمانی خصوصیت، شاعر کا ساتھ دیتی ہے۔ حجم وقت میں " وقت " وہی عینی خصوصیت کا حامل ہے۔ شاعر انتزاعی وقت سے دور ہے۔ وہ ماضی

اور حال کے لمحات سے گزر کر لاوقت تک پہنچتے ہیں۔ شاعر وقت کا مسافر ہے۔ وہ ماضی سے گزر کر لمحہ حال سے تعلق جوڑتا ہے۔ ہماری تیز رفتاری صرف جسمانی سرگرمیوں میں محدود نہیں ہوتی بلکہ ذہنی اور فکری تیز رفتاری میں زیادہ واضح ہوتی ہے۔ سپہری بھی اگر اپنی ذہنی اور روزمرہ پابندیوں کے اسیر بن جائیں تو دوسرے لوگوں کی طرح زندگی کا شکار ہو جائیں گے :

"وہ اپنی خلوت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں تاکہ بہار سے نئی زندگی لیں، خزاں کے ساتھ انسانی تنہائی کا تجربہ بھی کریں، سردیوں میں ٹھنڈ کو محسوس کریں اور گرمیوں میں گرمی کو۔ شاعر یہ چاہتا ہے کہ ہر لمحے میں موجود ہو۔ ہم ذہنی مشغولیات و مصروفیات کے عادی و اسیر بن گئے ہیں، اس لیے ہمارے لیے سہراب کی بات نامانوس لگتی ہے۔"(17)

سپہری نے زمینی وقتوں کی زندگی کا تجربہ کیا ہے۔ جب وہ کائنات کے ساتھ ہو کر کسی غبار کی طرح اس میں جاری ہوتے ہیں تو فاصلہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ کسی روشن شبنم جیسے گھاسوں کی تاریکی پر اپنی جان چھڑکتا ہے۔ پھر کسی وقت تک پہنچتے ہیں اور ہمیں بھی اس کی طرف بلاتے ہیں:

من شبنم خواب آلود یک ستارہ ام /۔۔۔ /

نجوای نمناک علف ہارامی شنوم (18)

وہ اس زمینی وقت میں ہم آہنگی کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ کسی رات وہ "شبِ ہماہنگی" تک جا پہنچتے ہیں۔ شاعر کو اس جگہ سے کوئی ڈر نہیں اور تاریکی کی گرہ کھلتی ہے: "لبہامی لرزند، شب می تپد، جنگل نفس می کشد"(19)

اب سپہری اپنے خیالی وقت کی چوکھٹ پر کھڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنی مرضی پر مبنی مستقبل کو دیکھتے ہیں، جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔ اس خیالی وقت میں وہ دنیا کے مستقبل کو بناتے ہیں۔ یہ ان کا تفکر اور حال و مستقبل کا امتزاج، اس جہان کی بے اعتمادی سے ماخوذ ہے۔ حالآنکہ ان کو ابدی جہان چاہیے اور ابدی وقت میں واقع ہونا چاہیے:

"ابدیت، آدمی کی سب سے اہم خواہش ہے یعنی وہ چیز جس کو عشق کہتے ہیں وہ ابدیت ہے۔ جب آدمی، کسی کو پسند کرتا ہے تو اس کے دل کے اندر یہ خواہش آتی ہے کہ اپنے آپ کو اس میں ابدیت بخشے۔ عشق اور صرف عشق اس دنیا کی بے اعتباری سے مقابلہ کر سکتا اور زندگی کو نئے سرے سے بھرپور کر کے ابدیت بخشا ہے۔"(20)

سپہری ابدی ہونے کے لیے کسی تاریخی وقت اور دُور تک جانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا دل کسی اور جگہ پتہ چاہتا ہے یعنی "دور"۔ "دور" کوئی ایسا وقت ہے جو "حال کے مستقبل"، "تخیل کے مستقبل" اور "مستقبل کے مستقبل" پر مشتمل ہے:

"دور باید شد، دور"(21)

یہ وقت، ابدی وقت کی ایک قسم ہے جو نامرئی کا مکان بھی ہے۔ سپہری اس وقت کو کائنات کے دل سے باہر لاکر اس کو دوبارہ حیات بخشتے ہیں لیکن ابدیت کا راستہ، موت کے رستے پر واقع ہے:

"وبدانیم اگر مرگ نبود

دست مادرپی چیزی می گشت"(22)

پھر تاریخی ماضی کو نظر انداز کرتے ہوئے تاریخی خوف سے گزرتے ہیں، موت کو احساس کرنے کے بعد، اپنی رسالت یعنی وجود کی حقیقت اور انسان کی تخلیق کے مقصد تک پہنچتے ہیں:

"پشت سر نیست فضائی زندہ
پشت سر مرغ نمی خواند
پشت سر باد نمی آید"[23]

اسی ترتیب میں وہ ایک لمحہ میں معیاری وقت کی ترتیب سے آزاد ہو کر زمین بننے کے آغاز سے لے کر سب وقتوں پر سفر کر کے کاشان واپس آجاتے ہیں۔ سپہری زندگی، موت، جنگ، بڑھاپے، ڈر، خوشی وغیرہ کو طے کر کے یہاں تک پہنچتے ہیں کہ "حقیقت" آدمی کی طاقت اور تصرف سے باہر ہے۔ یہاں سے شاعر کی تنہائی دوبارہ شروع ہوتی ہے:

"ہمیشہ عاشق تنہاست"[24]

اس کے بعد شاعر، عبادت کے وقت پر قدم رکھتے ہیں۔ وہ وقت جو سپہری کی نظموں میں سب سے شفاف لمحات ہیں:

"من مسلمانم
قبلہ ام یک گل سرخ"[25]

سپہری، عبادت کے وقت میں بھی کائنات کے ساتھ ایک ہو جاتے ہیں۔ سپہری کی عبادت کا وقت وہی کائنات کی عبادت کا وقت ہے۔ یہ سب وقت کو طے کرنے کے بعد، سپہری شبانہ وقت ابدیت کی طرف جاتے ہیں:

"باید امشب بروم /۔۔۔۔/
حرفی از جنس وقت نشنیدم"[26]

پھر ہمیشگی کے لیے ابدیت میں چل پڑتے ہیں اور لاوقت اور بے مکانی تک پہنچتے ہیں:

"آہ در ایثار سطح ہا چہ شکوہی است
ای سر طاش شریف عزلت"[27]

سپہری کتاب کو بند کر کے وقت کا ساتھ دیتے ہیں۔ حال کے وقت میں ٹھہرتے ہیں اور پھول سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں:

"باید کتاب رابست
باید بلند شد
در امتداد وقت قدم زد
گل رانگاہ کرد"[28]

وہ مختلف اوقات جن کا سپہری اپنی نظموں میں استعمال کرتے ہیں، کبھی کیلنڈر اور حتی تاریخ سے بھی آگے بڑھ کر اور کسی خاص وقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جن کے ذریعے آدمی دوسرے غیر تاریخی وقتوں میں زندگی بسر کر سکتا ہے جیسے خواب کا وقت اور وہم کا وقت:

"حرفہا دارم
با تو ای مرغی کی می خوانی نہان از چشم

ووقت را با صدایت می گشایی"(29)

## لمحہ حال کی اہمیت

مجید امجد کے یہاں موجودہ لمحہ کی اہمیت زیادہ ہے؛ ان کے نزدیک یہ لمحہ نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے، وہ اس نقطے کی بلندی میں کھڑے ہوتے ہوئے کائنات اور زندگی کے پھیلاؤ کو اپنے کمال تک پہنچتے دیکھتے ہیں۔ وہ لمحہ حال کو اپنے قابو میں لیتے ہوئے زندگی کا راز کھولتے ہیں کہ یہی نقطہ ہے جس سے آگے بڑھنے کے لیے امکانات و اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ یہ لمحہ گزرتا تو ضرور ہے مگر کھویا نہیں جاتا بلکہ مستقبل میں ضم ہو جاتا ہے اور یہ لمحہ حال بار بار آجاتا ہے اور ہر بار نئے سفر کی دھڑکن بنتا ہے اور نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے:

"اور ادھر باہر گلی میں
خرقہ پوش وپابہ گل
میں کہ اک لمحہ کا دل
جس کی ہر دھڑکن میں گونجے دو جہاں کی تیرگی
زندگی اے زندگی"(30)

یہاں، لمحے کے دل میں دونوں جہان (ماضی و مستقبل) کی یکجائی دکھائی گئی ہے اور اس لمحے سے مراد لمحہ موجود ہے جس میں شاعر سانس لے رہا ہے اور کہتا ہے:

"بوڑھی کبڑی دیواروں کے پاؤں چاٹتی گلیاں
ٹوٹتے فرش اکھڑتی اینٹیں
گزرے دنوں کے ملبے"(31)

یہ سطریں بظاہر ماضی کا بیان ہیں لیکن شاعر لمحہ حال میں بس گیا ہے۔ اس کے ہاں یہی حال، مستقبل کا بھی بنتا ہے:

"بجتی ڈھولک گاتی سکھیاں
جاگتے ماتھے سوچتے نیناں
آنے والے زمانے"(32)

امجد کے ہاں لمحہ موجود ہی اصل زندگی ہے۔ انہوں نے اس لمحے کو دعوتِ مبارزت اور سرچشمہ ء مسرت قبول کر لیا ہے۔ اب وہ، اس سے حظ اٹھانا چاہتے ہیں:

"یہی قرینہ ہے زندگی کا، اسی طرح سے لپکتے قرنوں کے اس چمن میں نجانے کب سے /۔۔۔/
کبھی کبھی ایک بوند اس کی، کسی نوا میں دیا جلائے
تو وقت کی پینگ جھول جائے"(33)

وقت کے لیے مجید امجد کی بہترین لازوال شعری مثال کی چند سطریں ہیں:

"مجھے کیا خبر وقت کے دیوتا کی حسیں رتھ کے پہیوں تلے پس چکے ہیں /۔۔۔/
انہی چلمنوں سے مجھے دیکھنا ہے وہ جو کچھ کہ نظروں کی زد میں نہیں ہے"(34)

یہاں مجید امجد وقت کی طاقت، حکمرانی اور شان کے لیے "دیوتا کا حسین رتھ" تخلیق کرتے ہیں۔ وقت اپنے تسلسل میں لمحہ حال کو دہراتا ہے اور ہر لمحہ اور اس سے متعلقات رتھ کے پہیوں کے تلے راستے میں کچل جاتے ہیں۔ اس ازلی و ابدی تسلسل میں، سب سے اہم یہی لمحہ مختصر ہے کو اہمیت دیتے ہیں جو اپنے رتن بان کے ذریعے ہی فانی ہو جاتا ہے۔ امجد نے یہاں ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میرے جیون کا ہر زاویہ وقت کی کروٹیں لیتا ہے مگر یہ لمحہ حال ہے جس میں جینے کی تمنا ہے۔ نفسیاتی طور پر بھی اگر دیکھا جائے وہ انسان کامیاب ہے اور صحت مند ہو گا کہ لمحہ حال میں جی لے۔ ماضی میں ڈوبا رہنا اور حسرت لینا قنوطیت کا باعث ہے اور مسلسل مستقبل پر سوچنا، پریشانی کا سبب ہو گا۔ امجد فرد کے عمل اور طرزِ عمل اور اندازِ زندگی کو وجدیت پسندانہ انداز میں دیکھتے ہیں۔ وہ فرد کی درونی تمناؤں کی وسعت پر یقین رکھتے ہیں۔ سماج، معاشرے اور باہر کی دنیا میں پیش آنے والے واقعات اور چیزوں کو وہ فرد کی موضوعیت کے حوالے سے پرکھتے ہیں اور ان کی حقیقت کا سراغ فرد کی داخلیت میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

لاکھ اشارے جو ہیں ان بوجھے ابھی
لاکھ باتیں جو ہیں گویائی سے دور
دور۔۔۔ دل کے کنج ناموجود میں
روز و شب موجود، پیچان، ناصبور (35)

نظم ''امروز'' میں شاعر لمحہ حال کے لیے دو طرح کی جہت افقی اور عمودی کے قائل ہیں۔ افقی جہت میں، لمحہ حال مستقل ہے اور ایک بھرا ہوا پیالہ کی طرح ہاتھ میں ہے اور وہ خود گذشتہ اور آیندہ سے لاتعلق ہوتے ہوئے پورا پورا ہوتا ہے اور ہر تقاضے کو مکمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ساتھ ساتھ اس لیے کہ گزرے ہوئے وقت اور آنے والے وقت پر بھی مشمل ہے تو عمودی جہت کا بھی حامل ہے:

"مرے ساتھ ہے، میرے بس میں ہے، میری ہتھیلی پہ ہے یہ لبالب پیالہ" (36)

شاعر اس بات پر زور دیتا ہوا نظر آتا ہے کہ یہ لمحہ حال مختصر ہونے کے باوجود تقدیر کو بناتا ہے اور زندگی کی کیفیت اور دوسرے اوقات اسی لمحے کے دارو مدار پر وابستہ ہے ۔ شاعر اسی لبالب پیالے سے سیر اب ہونا چاہتا ہے کیونکہ صرف یہی اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے کیونکہ صرف یہی لبالب پیالے اس کے اختیار میں ہوتا ہے صرف اسی سے میسرات فراہم ہوتے ہیں، اسی لمحے کو خوب گرفت میں لانے سے مستقبل اور ماضی پر ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔ اس پہلو میں دیکھا جائے تو نظم "حال" لمحہ حال کا روشناس کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل پر روشنی ڈالتی ہے۔ تینوں وقت کے سفر میں شامل ہیں بس اتنا فرق ہے کہ کائنات کی دھڑکن لمحہ حال میں جاری ہے۔ مجید امجد لمحہ حال میں سب اوقات کو موجود اور اثر انداز جانتے ہیں اس لیے کہ وہ تین مختلف اوقات سے متعلق افعال کا استعمال کرتے ہیں (ماضی، حال، مستقبل / آیا ہے، آتا ہے، آئے گا):

"اور آج کسے معلوم، ضمیر ہستی کا آہنگ تپان /۔۔۔ /
کون آیا ہے؟ کون آتا ہے؟ کون آئے گا؟ /۔۔۔۔ /
دل ڈرتا ہے (37)

سپہری کا فلسفہ وقت کے بارے میں ابن الوقت کا ہوتا ہے یعنی کہ ہمیں ہر لمحے میں نئی زندگی شروع کرنا چاہیے اور اپنے ہر لمحے سے فائدہ اٹھانا چاہیے:

"ان کا سادہ فلسفہ دھیرے دھیرے عارفانہ فلسفے سے بدل جاتا ہے۔ ان کا نظریہ، کریشنا مورتی کے فلسفے سے ملتا ہے۔ کریشنا مورتی کے یہاں، ہر لمحہ اپنے ماحول سے نیا ادارک حاصل کرتا ہے۔" (38)

اس کے علاوہ سپہری اسلامی عرفان سے بھی روشناس تھے اور یہ اسلامی فلسفہ عارف شعرا کے کلام میں بھی موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سپہری کی مصوری کا مکتب، امپریشنزم تھا۔ امپریشنسٹ کے لیے ہر لمحہ بہت اہم ہے۔ اسی رو سے سپہری بھی ایک امپریشنسٹ تھے اور ہر لمحے کی مصوری کرتے تھے۔ ان سب وجوہات کی بنا پر سپہری ایک ابن الوقت عارف تھے جن کی شاعری میں یہ بات کھل کر نمایاں ہے۔ عام لوگ اس آدمی کو ابن الوقت خطاب کرتے ہیں کہ وہ ہر لمحہ میں اپنا رنگ و روپ بدلتا ہے لیکن عرفاء کی زبان میں ابن الوقت اسے کہتے ہیں جو صرف حال میں زندگی بسر کرتا ہے۔ شاعر گزرے ہوئے وقت کی حسرت کے بعد ہم عصر کی قدر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں:

"دنگ۔۔ دنگ
لحظہ ہا می گذرد /۔۔۔ /
برلب سروزمان مارسیدہ است
تندبر می خیزم (39)

اچانک شاعر غفلت کی نیند سے چونک اٹھتا ہے اور جانتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے انسان کو ابن الوقت ہونا چاہیے:

"تا بہ دیوار، ہمین لحظہ کہ در آن ہمہ چیز
رنگ لذت دارد، آویزم
آنچہ می ماند ازین جہد بہ جای
خندہ ی پنہان شدہ از چشمانم" (40)

دوبارہ لمحہ حال کی تباہی اور فنا کی حسرت اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ سپہری اپنی مہیب تنہائی کے لمحات تک پہنچتے ہوئے اس سے نشہ میں آجاتے ہیں۔ سپہری کا فراق حلاوت سے بھرپور ہے اور وقت و مکان سے بیگانہ نہیں:

"دنگ۔۔۔ فرصتی از کف رفت /۔۔۔۔ /
ساعت گیج زمان در شب عمر
می زند پی در پی زنگ
دنگ۔۔۔ دنگ۔۔ دنگ (41)

سہراب سپہری لمحہ ءحال میں رہتے ہیں اور اس لمحہ کو "لحظہ ء شفاف" کہتے ہیں یعنی وہ لمحہ جس کے اندر شاعر حاضر ہے۔ سپہری کے نزدیک واقعہ صرف کسی سادہ خبر کی حد تک اہمیت رکھتا ہے اور وقت گزرنے کا بھی کوئی خاص مطلب نہیں نکلتا۔ کبھی وہ وقت کا ذکر حسرت سے کرتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ ہے شاعر "نوسٹالجیا" کا شکار ہوتا ہے اور اپنی موجودہ صورتحال سے ناخوش ہے۔ پھر بھی سپہری ماضی سے تعلق ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہر چیز لمحہ حال میں سمٹ چکی ہے اور وہ اسی لمحہ حال میں ماضی کا تجربہ کرسکتے ہیں:

"و نپر سیم پدر ہای پدر ہا چہ نسیمی چہ شبی داشتہ اند
پشت سر قضایی زندہ

پشت سر مرغ نمی خواند
پشت سر باد نمی آید"[42]

"پشت سر" کا مطلب وہی ماضی کا زمانہ ہے، ماضی وہی حال ہے، جب لمحہ حال گزرتا ہے تو ماضی سے پیوند لگا کر اس کا ایک حصہ بن جاتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حال بھی ایک طرح کا ماضی ہے۔ روایتی اور جدید شاعری میں، شاعر "شقایق یا پوست" کے پھول کو، دلسوختہ عاشق کا نمونہ جانتا ہے جس کے دل میں داغ مفارقت کی علامت ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ سپہری، اس پھول سے اور طرح کا فائدہ لیتے ہیں کہ لمحات کی چھوٹی عمر ہے جیسا شقایق کی عمر بہت مختصر ہے تو اس کی قدر کرنی چاہیے اور انہی لمحات میں زندگی گزارنا چاہیے:

"آری
تا شقایق ہست، زندگی باید کرد
در دل من چیزی است، مثل یک بیشہ نور، مثل خواب دم صبح /۔۔/
دور ہا آوایی است، کہ مرا می خواند" [43]

## وقت کے تناظر میں علامتیں

مجید امجد تسلسلِ وقت کو مختلف پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ الفاظ کو علامت کے طور پر وقت کے لیے بروئے کار لاتے ہیں۔ ان کی نظموں میں سب سے انوکھا استعارہ "کنواں" ہے جو وقت کے لیے علامت کے طور پر آیا ہے جس میں تسلسل ہے۔ نغمہ سرمدی مسلسل کان میں آرہا ہے! کنواں برابر چل رہا ہے: وقت کی یہ گردش جاودان ہے۔ کہیں لمحہ حال کو وقت کی ایک موج کہتے ہیں اور کہیں وقت کو ایک دیپک (چراغ یا دیپ) سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وقتی دیپک کی طرح جلتا ہوا روشنی دیتا ہے، ایک پتنگا اس چراغ کے ارد گرد گھومتے گھومتے جل جل کر مر جاتا ہے اس کے مرنے سے یہ تسلسل رکتا نہیں ہے کیونکہ دوسرا پتنگا آکر اسی عمل کو دہراتا ہے، وقت کی روشنی ختم نہیں ہوتی کیونکہ وہ ازل سے ابد تک باقی ہے اور مختلف پتنگوں کی آمد و رفت سے کائنات میں زندگی کی آواز کی لہروں اٹھتی جاتی ہے۔ پیدا شدہ تاریخ بھی وقت کے اسی تسلسل کا نتیجہ ہے:

"پہنائے زمان کے سینے پر اک موج انگڑائی لیتی ہے
اس آب و گل کی دلدل میں اک چاپ سنائی دیتی ہے /۔۔۔۔/
اس میرے میز پر جلتی ہوئی قندیل کی لو تک پہنچا ہے"[44]

اس میں: "وقت کے مرگھٹ پہ باہیں کھول دے / اک نرالی صبح بن جائے یہ رات (45) ؛ مجید امجد وقت کو مرنے والا سمجھتے ہیں اور وقت کٹنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ سب چیزوں کو تباہ کرکے موت کی طرف لے جاتا ہے۔

دوسری علامتیں جن کو مجید امجد نے وقت کے لیے استعمال کیا ہے، وہ کچھ اس طرح کی ہیں: "اندھیری رات کا طوفان؛ اک مقدس عبادتگاہ؛ آرا چلانے والا؛ دریائے خوناب؛ سمندر۔

سہراب سپہری بھی وقت کے لیے نرالی علامتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ وہ وقت کو کہیں "باد نمناک زمان" کہہ کر وقت کو ایسی ہوا جانتے ہیں جو گزرتے ہوئے سب چیزوں کو تباہ کرتی ہے۔ "نم، تباہی کا باعث بنتی ہے اور وقت گزرنے سے اجاڑپن زیادہ بنتا ہے اس لیے ہوا، نمناک ہوتی ہے"[46]۔ سپہری نے گزرے ہوئے وقت اور کمال تک پہنچنے کی طرف کافی حد تک اشارہ کیا ہے:

"در جنگل من از درندگی نام و نشان نیست... در جنگل من از درندگی نام جویبار از آن سوی زمان می گذرد"[47]

اور بھی کئی جگہوں پر وقت کو پھول تصور کر کے اس کے مرجھانے کی بات کرتے ہیں:

"رویازدگی شکست: پہنہ بہ سایہ فرو بود

زمان پر پر می شد (48)

سپہری مہارت سے وقت کے لیے محاکات و تشبیہات کا استفادہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ وقت کو "بارش" جیسا کہتے ہیں جو مسلسل برستا جاتا ہے:

"می رفتیم، خاک از ما می ترسید، وزمان، بر سر ما

می بارید (49)

باغ زمان؛ جوی زمان؛ خنجر زمان؛ سقف زمان؛ فوارہ؛ جنگل؛ سقف وقت؛ قیر شب " ایسی تراکیب و الفاظ ہیں جن کو سہراب سپہری نے وقت کے لیے تشبیہ کے طور پر زیادہ استعمال کیا ہے۔

******

# حوالہ جات


1. زاہد منیر عامر: "روشناس (مطالعہ نظم و نثر اردو)"، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2012، ص15.
2. مجید امجد،: "کلیات مجید امجد"، (مرتبہ) خواجہ محمد زکریا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2010، ص56.
3. خواجہ محمد زکریا: "چند اہم جدید شاعر"، سنگت پبلشرز، لاہور، 2003، ص132.
4. مجید امجد، ص62.
5. ایضاً، ص100.
6. ایضاً، ص59.
7. ایضاً، ص91.
8. سہیل عامر،: "مجید امجد: نقش گر ناتمام"، مکتبہ جدید، لاہور، 2008، ص182-187.
9. مجید امجد، ص488.
10. ایضا، ص488-489.
11. ایضا، ص425۔
12. سہراب سپہری: "ہشت کتاب"، نشر ثالث، تہران، 1384، ص274.
13. ایضا، ص291-292.
14. ایضا، ص314.
15. ایضا، ص292.
16. ایضا، ص295.
17. پیمان آزاد: "در حسرت پرواز: حکایت نفس در شعر احمد شاملو و سہراب سپہری"، ہیرمند، تہران، 1374، ص45.
18. سہراب سپہری، ص80.

19. ایضا، ص182.
20. بہاالدین خرمشاہی(مترجم):"درد جاودانگی" از میگل داونامونو، امیر کبیر، تہران، 1360، ص126.
21. سہراب سپہری، ص363.
22. ایضا، ص294.
23. ایضاص295.
24. ایضا، ص308.
25. ایضا، ص272.
26. ایضا، ص391.
27. ایضا، ص405.
28. ایضا، ص428.
29. ایضا، ص66-67.
30. مجید امجد، ص136.
31. ایضا، ص284.
32. ایضا، ص330.
33. ایضا، ص383.
34. ایضا، ص100.
35. ایضا، ص80.
36. ایضا، ص100.
37. ایضا، ص107.
38. سیروس شمیسا،:"نگاہی بہ سپہری"، مروارید، تہران، 1372، ص14.
39. سہراب سپہری، ص45.
40. ایضا، ص46.
41. ایضاص47.
42. ایضا، ص295.
43. ایضا، ص250.
44. مجید امجد، ص107.
45. ایضا، ص92.
46. حسین معصومی ہمدانی: (مضمون)"از معراج و ہبوط" مشمولہ "پیامی در راہ"، (مرتبہ) داریوش آشوری، تہران: طہوری، 1371، ص68.
47. سہراب سپہری، ص164.

48. ایضاً، ص197.
49. ایضاً، ص266.

# References


1. Aamir, Zahid Muneer. *Rooshnas (A Study of Poetry & Prose)*. Lahore: The University of Punjab. 2012. PP 15.
2. Majeed Amjad. *Kulliyat Majeed Amjad*. Edited by: Khwaja Muhammad Zakariya. Lahore.2010.PP 56.
3. Zakariya, Khwaja Muhammad. *Chand Ehem Jadeed Shaer*. Lahore: Sangat Publishers. 2003. PP 132.
4. Majeed Amjad. PP 62.
5. Ibid. PP 100.
6. Ibid. PP 59.
7. Ibid. PP 91.
8. Sohail Aamir. *Majeed Amjad: Naqsh Gar Natamam.* Lahore: Maktaba Jadeed. 2006. PP 182-187
9. Majeed Amjad. PP 488.
10. Ibid. PP 488-489
11. Ibid. PP 425
12. Sepehri, Sohrab. *Hasht Kitab* (3rd Edition). Tehran. 1384. PP 274.
13. Ibid. PP 291-292.
14. Ibid. PP 314.
15. Ibid. PP 292.
16. Ibid. PP 295.
17. Peman Azad. *Dar Hasrate Perwaz: Hikayate Nfs dar Shaer Ahmad Shamlo va Sohrab Sepehri*. Tehran: Hermand. 1374. PP 45.
18. Sepehri, Sohrab. PP 80.
19. Ibid. 182
20. Khurramshahi, Bahauddin (tr.). *Darde Javidangi az Megel dav namono*. Tehran: Ameere Kabeer. 1360. PP126.
21. Sepehri, Sohrab. PP 363.
22. Ibid. PP 294.
23. Ibid. PP 295.
24. Ibid. PP 308.
25. Ibid. PP 272.
26. Ibid. PP 391.
27. Ibid. PP 405.
28. Ibid. PP 428.
29. Ibid. PP 66-67.
30. Majeed Amjad. PP 136.
31. Ibid. PP 284.
32. Ibid. PP 330.
33. Ibid. PP 383.
34. Ibid. PP 100.
35. Ibid. PP 80.

36. Ibid. PP 100.
37. Ibid. PP 107.
38. Shamesa, Seros. *Nigahi ba Sepehri*. Tehran: Marvareed. 1372. PP14
39. Sepehri, Sohrab. PP 45
40. Ibid. PP 46
41. Ibid. PP 47
42. Ibid. PP 295
43. Ibid. PP 250
44. Majeed Amjad. PP 107
45. Ibid. PP 92.
46. Humdani, Hussain Masoomi. *Az Meraaj o Haboot*. Essay Incl. in Piyami dar Rah. Edited by Daryosh Ashoori. Tehran: Tahoori. 1371. PP 68.
47. Sepehri, Sohrab. PP 164
48. Ibid. PP 197.
49. Ibid. PP 266.